© rasailojaraid.com

ڈاکٹر ابو سلمان سندھی

مولانا عبیداللہ سندھی اور کمیونزم

کیا مولانا سندھی کمیونزم سے متاثر ہو گئے تھے؟

مولانا عبیداللہ سندھی ۱۵۔اکتوبر ۱۹۲۲ء کو کابل سے روانہ ہونے کے بعد مختلف مقامات و مراحل سے گزرتے ہوئے ۱۰۔نومبر ۱۹۲۲ء کو ماسکو پہنچے تھے۔ انھوں نے یہ سفر ہندوستانی حریت پسند اور کانگریس کمیٹی کابل کے صدر کی حیثیت سے کیا تھا۔ روس کی انقلابی حکومت نے انھیں کرشی پہنچنے پر اپنا مہمان بنالیا تھا اور آگے کے سفر میں بعض سہولتیں مہیا کر دی تھیں ماسکو میں مولانا سندھی اور ان کے ساتھیوں کو سرکاری مہمان کی حیثیت سے لکس ہوٹل میں ٹھہرایا گیا تھا۔

ماسکو پہنچنے کے بعد چند دن تو ماسکو کی سیر اور وہاں پہلے سے موجود ہندوستانیوں اور یونی ورسٹی میں زیر تعلیم ہندوستانی طلبہ کے ساتھ ملاقاتوں میں گزرے۔ ایک ہفتے کے بعد کا واقعہ ظفر حسن نے آپ بیتی میں تحریر کیا ہے:

"ماسکو آنے کے کوئی ایک ہفتہ بعد روسی حکام اور بنگالی ایم این رائے نے، جس کا اصل نام نریندر ناتھ بھٹاچاریہ تھا اور ہندوستانی کیمونسٹ پارٹی کا پریذیڈنٹ مانا جاتا تھا، خوشی محمد (محمد علی) کے ذریعے ہمارے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ ہم میں سے چند ایک نوجوان مشرقی یونی ورسٹی ماسکو میں تعلیم پانے کو داخل ہوں۔ اس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ چند ایک کالجیٹ طالب علموں کو اپنے پروپیگنڈے اور تعلیم کے ذریعے کیمونسٹ بنائیں۔ ابھی تک روسیوں کے ہاتھ ایسے کام کے لیے ہندوستانیوں میں سے جو آدمی ہاتھ پڑے تھے، ان میں سے اکثر کم تعلیم یافتہ تھے۔ (عبدالحمید، رحمت علی اور خوشی محمد اس سے مستثنیٰ تھے، کیوں کہ وہ کالجوں میں پڑھ چکے تھے)۔ اس پر قبلہ مولانا صاحب نے مجھے حکم دیا کہ میں یونی ورسٹی میں داخل ہو جاؤں۔ اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ میرے ذریعے کیمونسٹوں کے اصول، تعلیم اور کیمونزم کے بنیادی عقائد کا پتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لگائیں تاکہ آزاد ہندوستان میں ایسا نظام قائم کر سکیں جو کیمونزم کا توڑ ہو اور ہندوستان کے عوام اس نظام سے ایسے خوش حال بنیں کہ کیمونزم کے پروپیگنڈے پر کان نہ دھریں اور اس کے پھندے میں نہ پھنسیں۔ اس کے علاوہ ان کا یہ مقصد بھی تھا کہ کیمونزم جو مذہب کا دشمن ہے اس سے ہندوستان میں اپنے مذہب کو بچانے کے لیے کچھ تدبیریں سوچیں۔ نیز اس بارے میں اپنی واقفیت بڑھائیں کہ کیمونسٹوں سے انگریزی سامراج کو نیست و نابود کرنے اور ہندوستان کو آزاد کرانے میں مدد کے لیے کیا طریقہ کار اختیار کیا جائے۔

بینرجی خود اپنی مرضی سے اس یونی ورسٹی میں داخل ہو گیا۔ اس کا مقصد کیمونزم کے اصولوں کو ٹھیک طور پر سمجھ کر اس سے ہندوازم کو بچانے کا راستہ تلاش کرنا تھا۔ تیسرا شخص عبدالعزیز تھا، جو یہاں تعلیم پانے پر لگایا گیا تھا۔ لیکن سردی کے موسم میں اس کی صحت خراب ہو جانے کی وجہ سے، وہ باقاعدہ تعلیم نہ پا سکا۔ اس پر ہم تینوں کو لکس ہوٹل سے یونی ورسٹی کے بورڈنگ ہاؤس میں بھیج دیا گیا۔ یہ بورڈنگ ہاؤس لکس ہوٹل سے کچھ زیادہ دور نہ تھا اور اسی سڑک پر واقع تھا..... اور تعلیم کے لیے جو عمارت تھی، وہ بھی بورڈنگ ہاؤس کے نزدیک اسی عمارت کے نزدیک اسی سڑک کے دوسرے کنارے پر چوک میں تھی، دونوں عمارتیں پرانے زمانے کی تین منزلہ اور اعلیٰ درجہ کی تھیں۔ یہ عمارتیں پتھر کی تھیں۔"

اس وقت تک مشرقی یونی ورسٹی میں رحمت علی، عبدالحمید، عبدالوارث بٹ، فضل الٰہی قربان وغیرہ داخل ہو چکے تھے۔ عبدالعزیز اور بینرجی نے بھی اپنے طور پر داخلے کا فیصلے کر لیا تھا اور ظفر حسن کو مولانا نے داخلہ لینے کے لیے حکم فرمایا تھا۔ داخلہ لینے کے بعد عبدالعزیز، منبیرجی اور ظفر حسن ہوٹل سے یونی ورسٹی کے ہوسٹل میں منتقل ہو گئے تھے۔ لیکن آئندہ پیش آنے والے واقعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ رحمت علی، نور محمد، خوشی محمد، عزیز احمد وغیرہ ہوٹل ہی میں مقیم رہے تھے۔ چوں کہ یونی ورسٹی اور ہوسٹل لکس ہوٹل کے قریب ہی واقع تھے، اس لیے جو طلبہ ہوسٹل میں منتقل ہو گئے تھے، ان سے بھی ملاقاتوں میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہوئی۔ تقریباً روزانہ ہی شام کو ملاقات ہو جاتی تھی۔

ظفر حسن نے یونی ورسٹی میں اپنے داخلے کی مصلحت خود بیان کر دی ہے۔ میرا خیال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے کہ مولانا سندھی مرحوم کا یہ حکم فرمانا بڑی حکمت پر مبنی تھا۔ کمیونزم کے فلسفے اور اصول و نظریات سے واقفیت اور ان کے طریق تعلیم و تربیت کو جاننے کی اس سے بہتر کوئی اور صورت نہ تھی۔ اس سے ظفر حسن کو بہت فائدہ پہنچا اور مولانا سندھی کو کمیونزم سے راست واقفیت کا بہترین موقع ہاتھ آیا۔ ظفر حسن کو یونی ورسٹی میں جو کچھ پڑھایا جاتا تھا، وہ مولانا سندھی کو بتاتے تھے اور ان کے جوابات سے اپنا خلجان دور کر لیتے تھے۔ اس طرح اسلامی عقائد اور قرآنی تعلیمات و افکار کی صداقت و جامعیت کے بارے میں دل میں کوئی شبہ پیدا ہوتا تھا تو وہ دور ہو جاتا تھا اور اسلام اور مذہب پر ان کا یقین اور پختہ ہو جاتا تھا۔ اس قسم کے پیش آنے والے واقعات اور افکار و مسائل کی انھوں نے متعدد مثالیں پیش کی ہیں۔ اس سے یہ غلط فہمی قطعاً دور ہو جاتی ہے کہ مولانا نے ذہنی طور پر کمیونسٹ کریڈ قبول کر لیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ کمیونزم کے اصول و فلسفہ اور اشتراکیت کے اصل مقاصد سے واقف ہونے کے بعد نہ صرف یہ کہ اس کے فلسفہ و مقاصد کے کمزور اور ناقص پہلوان پر واضح ہو گئے تھے، بلکہ اسلام کے عقائد و احکام کی صداقت پر ان کا ایمان حق الیقین سے عین الیقین میں بدل گیا تھا۔ خود مولانا سندھی مرحوم نے اعتراف کیا ہے کہ انھیں سوشلزم کے مطالعے کا جو موقع ملا تھا، اس سے انھیں بہت فائدہ پہنچا۔ اپنی خودنوشت میں لکھتے ہیں:

> "ماسکو میں رکا، سوشلزم کا مطالعہ اپنے نوجوان رفیقوں کی مدد سے کرتا رہا ...... میرے اس مطالعے کا نتیجہ ہے کہ میں اپنی مذہبی تحریک کو جو امام ولی اللہ دہلوی کے فلسفے کی شاخ ہے، اس زمانے کے لادینی حملے سے محفوظ کرنے کی تجاویز سوچنے میں کامیاب ہوا۔"
>
> (کابل میں سات سال، لاہور، ۱۹۷۲ء ص ۵۶-۱۵۵)

مولانا نے اپنے اس مطالعے اور اس کے نتیجے کو اپنا اختصاص اور امتیاز قرار دیا ہے۔

ایک بہت بڑی بات یہ ہوئی کہ ظفر حسن کمیونزم کے فلسفے اور اشتراکیت کے اصول و مقاصد کے پروپیگنڈے اور اس کے مضر اثرات سے بچ گئے، اور مشرقی یونی ورسٹی یا مذہب کے خلاف پروپیگنڈا اسکول میں تعلیم پانے کے باوجود وہ ایک راسخ العقیدہ مسلمان باقی رہے

© rasailojaraid.com

ظفر حسن لکھتے ہیں:

© rasailojaraid.com

"میں ہر روز شام کے وقت یونی ورسٹی کے لیکچر ختم ہونے پر ہوٹل لکس میں جاکر اس روز کے پڑھے ہوئے سبقوں کا خلاصہ قبلہ مولانا صاحب کو سنایا کرتا تھا، جس سے ان کو کیمونسٹ نظریوں، کیمونسٹ اصول حکومت، مزدوروں کی تحریک اور کیمونسٹ انٹرنیشنل یعنی تھرڈ انٹرنیشنل جس کو مختصراً کومنٹرن کہا جاتا تھا، کے بارے میں آہستہ آہستہ کافی سے زیادہ معلومات حاصل ہو گئی تھیں۔ یہ معلومات ان کے لیے دو سال بعد جب انھوں نے استانبول میں رہ کر ہندوستان کی آزادی کے لیے پروگرام اور آزاد ہندوستانی فیڈرل گورنمنٹ کا خاکہ ...... ایک رسالے کی شکل میں ۱۹۲۴ء میں چھاپ کر خفیہ طور پر ہندوستان بھیجا، بہت مفید ثابت ہوئیں ...... اس سلسلے میں کیمونسٹ تعلیم کے وہ پہلو جو اسلامی احکام اور عقائد کے خلاف تھے، وہ بھی قبلہ مولانا صاحب پر واضح ہو گئے۔ میرے دل میں اس مضر تعلیم کی وجہ سے اسلام کے بارے میں جو شک و شبہ اور ذہنی تشویش پیدا ہو سکتی تھی، میں اس کو قبلہ مولانا صاحب کی خدمت میں عرض کر کے ان سے اس کا شافی اور اطمینان بخش جواب اور حل پوچھ لیا کرتا تھا۔ اس سے خداوند کریم کے فضل سے میرے ایمان میں تزلزل واقع نہیں ہوا۔

اس کے بعد مذہب کے خلاف کیمونسٹ پروپیگنڈے کے بارے میں لکھتے ہیں:

"کیمونسٹوں کا مذہب کے بارے میں ایک مشہور مقولہ ہے، جو انھوں نے کارل مارکس کی تعلیم سے لیا ہے۔ اس مقولے کو روسیوں نے ماسکو کے سرخ میدان میں ایک نمایاں جگہ پر کندہ کرا دیا ہے۔ مقولہ یہ ہے:

"Religion is the opium of the people"

یعنی مذہب لوگوں کے لیے افیون ہے۔ اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ مذہبی عقیدے لوگوں پر ایسی غشی طاری کر دیتے ہیں کہ وہ غاصبوں سے اپنے حقوق طلب کرنے کے قابل نہیں رہتے۔ مذہب ذاتی ملکیت کو جائز قرار دینے کی وجہ سے کارل مارکس کے نظریے کے مطابق مال داروں کی حمایت کرتا ہے اور ان کے مال پر غیروں اور ناداروں کو دست درازی کرنے سے روکتا ہے اور اس طرح ان کو اپنے حقوق طلب کرنے سے منع کرتا ہے۔ قبلہ مولانا صاحب نے اس زہریلے نظریے کو رد کرتے ہوئے بتایا کہ اسلامی قانون وراثت دولت کو صرف چند ایک لوگوں کے ہاتھ میں جمع ہونے نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیتا، زکوۃ مال داروں پر ایک ایسا ٹیکس ہے کہ جس کے ذریعے سوسائٹی کے محتاجوں کو مدد دی جاتی ہے۔"

ظفر حسن نے ایک روز کے سبق اور اس پر بیزجی کے رد عمل کے بارے میں بیان کیا ہے:

"ایک روز یونی ورسٹی میں ہمیں پڑھایا گیا کہ ذاتی ملکیت کو جو ملک بھی جائز سمجھے، وہ قدامت پسند ہے، کیوں کہ وہ غریبوں کو مال داروں کا غلام بناتا ہے اور ان کا استحصال (Exploitation) کراتا ہے۔ اس لیے ایسے مذہب کا قلع قمع ہونا چاہیے۔ ہندو مت میں ذاتی ملکیت کھلم کھلا موجود ہے۔ اس لیے بیزجی اس سبق کے بعد کچھ کھسیانا سا ہو گیا۔ کیوں وہ اب ہندو مت کی کبھی تائید اور حمایت نہیں کر سکتا تھا۔ اس پر اس نے اسلام پر حملہ کرنا چاہا اور اس غرض سے مجھ سے پوچھا: کیا اسلام ذاتی ملکیت کی اجازت دیتا ہے؟ میں نے جواب دیا: ہاں دیتا ہے۔

اس پر اس نے ...... بڑے اطمینان سے کہا، پھر تو ہم کو ہندوستان سے ہندو ازم کے ساتھ اسلام کو بھی مٹا دینا ہو گا۔"

ظفر حسن اعتراف کرتے ہیں کہ وہ اس وقت اس کا کوئی خاطر خواہ جواب نہ دے سکے۔ اور ان کے دل میں بھی اسلام کے متعلق ذرا سا شبہ پیدا ہو گیا۔ چناں چہ شام کو حسبِ معمول جب مولانا سندھی سے ان کی ملاقات ہوئی تو انھوں نے بیزجی کے اسلام پر اعتراض اور اپنی بے چارگی کا ذکر کیا۔ ظفر حسن لکھتے ہیں کہ مولانا نے فرمایا:

"قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان اللہ اشتریٰ من المومنین اموالھم و انفسھم بان لھم الجنہ یعنی اللہ نے مومنوں کے مال کو اور ان کی جانوں کو ان سے جنت کے بدلے خرید لیا ہے۔ اس سے یہ معنی نکلتے ہیں کہ ضرورت کے وقت مسلمانوں کو اپنی جان اور ذاتی مال سے دستبردار ہونا پڑے گا اور ان کو خداوند کریم آخرت میں اس کے عوض جنت دے گا۔ یعنی اسلام میں ذاتی ملکیت کا اصول ضرورت کے وقت بالکل اٹھایا جا سکتا ہے۔ اسلام ایسا مذہب نہیں جس میں ذاتی ملکیت کے اصول کا ہمیشہ قائم رکھا جانا ضروری ہو۔ اگر ضرورت پیش آجائے اور زمانے کا حال ایسا ہو جائے کہ اس میں ذاتی ملکیت قائم رکھنے کی وجہ سے مسلمان اپنے مذہب کو اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے ایمان کو خطرے میں دیکھیں تو ذاتی ملکیت کے اصول سے دست بردار ہو سکتے ہیں اور اس اصول کو بدل سکتے ہیں۔ لہذا اسلام ایک قدامت پسند مذہب نہیں جو مال داروں کو ناداروں کے استحصال کی اجازت دے یا اس کا موقع دے۔"

ظفر حسن اس کے بعد لکھتے ہیں:

"قبلہ مولانا صاحب کی اس تفسیر سے مجھے بہت اطمینان ہوا اور میرا اسلام پر ایمان اور بھی مضبوط ہو گیا۔ اس سے بیزجی کو ایک ایسا جواب ملا کہ وہ لاجواب ہو گیا"

ایک روز یونی ورسٹی میں ایک پروفیسر نے اپنے لیکچر میں کہا کہ سوویت نظام حکومت قائم کرتے ہوئے ہمیں سب سے زیادہ مخالفت کسانوں کی طرف سے پیش آئی۔ کیوں کہ وہ زمین کو اپنی ذاتی ملکیت کے طور پر رکھنا چاہتے تھے، اور مشترک ملکیت کا زرعی نظام قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ چوں کہ کوئی ان کو اس خیال سے ہٹانے کے لیے مذہبی احکام پیش نہیں کرتا، اس لیے سارے مذاہب رجعت پسند ہیں، لہذا صفحہ ہستی سے مٹائے جانے کے لائق ہیں۔ شام کو ظفر حسن نے مولانا سے دریافت کیا کہ آیا اسلام بھی زمین کی ملکیت افراد کو دینا چاہتا ہے؟ مولانا نے اس کے جواب میں فرمایا:

"نہیں، اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے ایران فتح کیا تو عرب فاتحین نے ایران کی زمینوں کو اپنی ذاتی ملکیت بنا کر ان پر قبضہ کرنا چاہا، کیوں کہ انھوں نے اپنی قوت بازو سے ان کو حاصل کیا تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے ان کو اس کی اجازت نہ دی اور ساری زمینوں کو بیت المال کی ملکیت قرار دیا اور فاتحین کو صرف ان زمینوں کی کاشت کا حق عطا فرمایا۔"

ظفر حسن لکھتے ہیں:

"میں نے اگلے روز یونی ورسٹی میں حضرت عمرؓ کے اس فیصلے کا اور اس اسلامی قانون کا ذکر اپنے اسی پروفیسر سے کیا۔ اس پر وہ بہت اچنبھے میں پڑا اور کہنے لگا، اگر کوئی شخص ہم کو اسلام کے یہ احکام پہلے بتلاتا تو ہمارا کام بہت آسان ہو جاتا اور ہم کسانوں کو اپنی انقلابی صفوں میں بڑی آسانی سے داخل کر لیتے اور ہماری حکومت ان کی مخالفت سے بچی رہتی۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان واقعات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مولانا پر جن حضرات نے اس قسم کا الزام لگایا ہے یا جو اس قسم کے کسی واہمے کا شکار ہیں، وہ حقیقت سے کتنے دور اور کیسے ناواقف ہیں! مولانا سندھی مرحوم تو کمیونزم کے پروپیگنڈے اور اس کے مضر اثرات سے نہ صرف یہ کہ خود محفوظ رہے، انھوں نے دوسروں کو بھی گمراہی میں پڑنے اور اسلام اور اسلامی تعلیمات کے بارے میں غلط فہمی میں مبتلا ہونے سے بچایا۔

مولانا سندھی کی اس حیثیت سے کہ وہ ایک مذہبی اسکالر ہیں، حکومت روس خوب واقف تھی۔ وہ حکومت کے مہمان تھے اور انھیں اپنے مذہبی اعمال بجالانے پر، مثلاً نماز پڑھنے وغیرہ کی پابندی نہ تھی۔ لیکن جن حضرات کی یہ حیثیت نہ تھی یا وہ مشرقی یونی ورسٹی میں حکومت روس کے خرچ پر تعلیم حاصل کر رہے تھے، ان کے لیے مذہبی اعمال کا علی الاعلان بجا لانا یا اپنے مذہبی عقیدے کا اعلان کرنا ہرگز ممکن نہ تھا۔ چناں چہ ظفر حسن نے نماز کی ادائیگی کے بارے میں اپنی اس مجبوری کا ذکر کیا ہے کہ ماسکو یونی ورسٹی میں تو نماز، روزے کا نام لینا بھی ممکن نہ تھا۔ وہ بڑی مشکل سے چارپائی پر لیٹ کر اور سر کے اشارے سے نماز ادا کیا کرتے تھے اور کبھی کبھار اگر موقع مل جائے تو فضل الہیٰ قربان سے جس کو یونی ورسٹی کے بورڈنگ ہاؤس میں ایک چھوٹا سا کمرہ علیحدہ ملا ہوا تھا، اجازت لے کر اس کے کمرے میں نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ ماسکو جیسے دشمن مذہب شہر میں فضل الہیٰ قربان کا جو اپنے کو کمیونسٹ کہا کرتا تھا، نماز پڑھنے کے لیے اپنے کمرے میں موقع دے دینا ایک بہت بڑی جرأت کا کام تھا، کیوں کہ اگر کسی کمیونسٹ کو اس کا پتا چل جاتا تو نہ صرف فضل الہیٰ قربان کی پوزیشن خراب ہو جاتی بلکہ اس کی جان بھی خطرے میں پڑ سکتی تھی۔ ظفر حسن نے لکھا ہے کہ اس نے انھیں کبھی کبھی ایسا موقع دے کر ان پر بڑا احسان کیا تھا۔ لیکن جب وہ یونی ورسٹی کی تعطیلات میں سیر و تفریح کے لیے لینن گراڈ گئے اور مولانا سندھی کے ساتھ علامہ موسیٰ جار اللہ کے مکان پر قیام کیا اور آزادی کے ساتھ نماز پڑھنے کا انھیں موقع ملا، تو انھیں بہت خوشی ہوئی تھی۔

یہ حقیقت ہے کہ ۱۹۱۵ء میں پنجاب سے جن طلبہ نے ہجرت کی تھی، وہ سب نوعمر اور کچے ذہن کے مالک تھے۔ حالات سے متاثر ہونے اور بھٹک جانے کے ان کے لیے بہت خطرات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھے۔ لیکن جن طلبہ کو مولانا سندھی مرحوم سے عقیدت تھی اور مولانا کی صحبت کو انھوں نے کابل یا ماسکو میں غنیمت جانا تھا اور تعلق رکھا تھا، وہ گمراہی سے محفوظ رہے اور جن کی قسمت ہی میں گمراہی لکھی تھی انھیں اس سے کون بچا سکتا تھا۔ ظفر حسن کا لیٹ کر اشاروں سے نماز پڑھنا، رحمت علی زکریا کا چھپ کر قرآن پڑھنا، فضل الٰہی قربان کا خطرات کے باوجود اپنے کمرے میں نماز پڑھنے کی اجازت دینا، یہ سب مولانا سندھی کے فیضان صحبت کے مختلف درجات ہیں۔ مذہب پر یقین اور اسلام پر ان کے ایمان کے لیے ان حالات میں اتنا بھی بہت تھا۔ رحمت علی زکریا کا پچھلے صفحات میں ذکر آچکا ہے۔ معلوم ہے کہ مولانا سندھی مرحوم سے اس کا کوئی خاص تعلق نہ تھا۔ ظفر حسن نے اسے متلون مزاج اور ڈانواں ڈول طبیعت کا مالک لکھا ہے۔ لیکن قرآن شریف سے اس کے عشق اور چھپ کر قرآن کی تلاوت کرنے کا جو واقعہ ظفر حسن نے لکھا ہے اسے مولانا سندھی کی صحبت کے فیضان کے سوا اور کیا نام دیا جاسکتا ہے۔ مولانا سندھی کے قرب و صحبت کے سوا نہ وہاں کوئی مذہبی شخصیت تھی، نہ کوئی صحبت بہم تھی اور نہ مطالعے کے لیے اسلامی کتب کا کوئی ذخیرہ موجود تھا۔ ظفر حسن نے لکھا ہے کہ ایک روز شام کو حسب معمول ہوٹل میں گیا تو مولانا کے ساتھ رہنے والوں نے ایک واقعہ سنایا کہ گزشتہ شب کو وہ سب لوگ سو گئے تھے.... ایک آواز سے ان کی آنکھ کھل گئی۔ کان لگا کر سنا تو معلوم ہوا کہ رحمت علی زکریا بڑی خوش الحانی کے ساتھ قرآن شریف کی تلاوت کر رہا ہے۔ کسی نے اس کی تلاوت میں مداخلت نہیں کی۔ لیکن جب وہ تلاوت کر چکا تو ساتھیوں نے بجلی جلادی۔ دیکھا کہ وہ اپنی چارپائی پر دوزانو بیٹھا ہوا ہے۔ سب کو تعجب ہوا کہ ایک طرف تو وہ اپنے آپ کو کمیونسٹ کہتا ہے اور مذہب کے طرف داروں کو اپنا مخالف بھی مانتا ہے اور دوسری طرف قرآن شریف کی اس خشوع و خضوع کے ساتھ تلاوت کرتا ہے کہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتا ہے اور اس کو ڈر نہیں رہا کہ روسی کمیونسٹ اس کے دشمن ہو جائیں گے۔ جب اس کے اس تضاد کی وجہ پوچھی گئی تو اس نے جواب دیا:

> "میرا پولٹیکل اور سوشل عقیدہ تو کمیونزم کا عقیدہ ہے لیکن میں مذہبی طور پر قرآن شریف کا دل دادہ اور اس کی خوبیوں کا قائل ہوں۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن اس کا یہ جواب اس کے دوستوں کو مطمئن نہ کر سکا۔ ظفر حسن کو یقین ہو گیا کہ وہ محض زبانی طور پر کمیونسٹ اور دل سے مسلمان ہے اور اپنی متلون مزاجی اور طبیعت کی کمزوری کی بنا پر یا حالات کے جبر کی وجہ سے یہ اعلان نہ کر سکتا تھا کہ وہ پکا مسلمان ہے۔ ظفر حسن نے یہ بھی لکھا ہے کہ اسے افغانستان کے انگریزوں سے صلح کرنے اور مولانا سندھی سے کیے ہوئے معاہدے سے افغانستان کے پھر جانے کا سخت رنج تھا اور یہی وجہ تھی کہ وہ نہ صرف افغانستان سے بلکہ سب مسلمانوں سے بددل ہو گیا تھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس وجہ سے وہ اسلام سے مایوس نہیں ہو سکتا تھا اور ماسکو میں رہنے کی مجبوری سے کمیونسٹوں کو خوش کرنے کے لیے وہ اپنے کو کمیونسٹ کہتا تھا، لیکن اس پر اس کا دل مطمئن نہیں تھا۔ ظفر حسن کے یہ قول:

> "قرآن شریف کا اس کے دل پر اتنا گہرا اثر تھا کہ چھپ چھپ کر اس کی تلاوت کیا کرتا اور اپنے دل کی بے چینی کو اس طرح رفع کرنے کی کوشش کیا کرتا تھا۔"

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مولانا سندھی تو کمیونزم کے فلسفے، سوشل ازم کے عقیدے اور اشتراکیت کے نظریے سے متاثر ہوئے ہی نہیں۔ جن نوجوانوں کو مولانا سے ربط تھا وہ بھی اس گمراہی میں پوری طرح مبتلا ہونے سے محفوظ رہے۔ اقبال شیدائی کے نام مولانا سندھی ایک خط میں لکھتے ہیں:

> "میں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ ماسکو کی تحریک کا مفصل مطالعہ کرنے کے بعد اپنے عقائد محفوظ رکھ سکا اور ہندوستان جیسے ملک میں بہ اطمینان خاطر کام کرنے کا راستہ معین کر لیا۔"

ظفر حسن نے اپنی آپ بیتی میں کئی جگہ یہ اعتراف کیا ہے کہ وہ مذہب کے خلاف کمیونزم کے پروپیگنڈے کے اثرات سے محفوظ رہے تو یہ صرف مولانا سندھی کا فیضان تعلیم و تربیت تھا۔

© rasailojaraid.com